© rasailojaraid.com

علامہ برہان الدین بقاعیؒ اور ان کی تفسیر

نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور

ڈاکٹر عبیداللہ فہد فلاحی

علامہ برہان الدین بقاعیؒ نویں صدی ہجری کے ایک اہم مفسر ہیں۔ تاریخ تفسیر میں ان کی تفسیر 'نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور' کو اہم مقام حاصل ہے، لیکن اس کا تذکرہ بہت کم ملتا ہے۔ تفسیر و مفسّرین کی تاریخ مرتب کرنے والوں نے بالعموم اسے نظر انداز کیا ہے، حتّٰی کہ ڈاکٹر محمد حسین ذہبی نے بھی اپنی مفصل تاریخ میں اس کا تذکرہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں، جب کہ ان کی تاریخ نے تمام مکاتب فکر کی نمائندہ تفاسیر کا مطالعہ و تجزیہ کیا ہے۔[۱] دلچسپ بات یہ ہے کہ نظم قرآن کی فکر اور تاریخ مرتب کرنے کی طرف توجہ نہیں دی گئی، نہ اس مکتب فکر کی ترجمانی کرنے والوں کا تعارف کرایا گیا، جب کہ ادبی اور بلاغتی تفاسیر پر خاطر خواہ توجہ دی گئی ہے۔ بعض مصنفین نے اس تفسیر کا تذکرہ کیا ہے، لیکن اس کے تفسیری محاسن پر روشنی نہیں ڈالی ہے۔[۲] علامہ جلال الدین سیوطیؒ، شیخ مخدوم علی مہائمیؒ اور مولانا حمید الدین فراہیؒ نے نظم قرآن کے حوالہ سے اس تفسیر کا تذکرہ کیا ہے اور بقاعیؒ کی خدمات کو سراہا ہے، لیکن ان فضلاء نے بھی کوئی تجزیہ و تحلیل کرنے سے گریز کیا ہے۔ سیوطیؒ ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''علامہ ابوجعفر ابن زبیر شیخ ابوحیانؒ نے نظم قرآن پر ایک خاص کتاب لکھی اور اس کا نام 'البرہان فی مناسبۃ ترتیب سور القرآن' رکھا اور ہمارے ہم عصروں میں سے شیخ برہان الدین بقاعیؒ کی تفسیر 'نظم الدرر فی تناسب الآی والسور' بھی اسی اصول پر لکھی گئی ہے''۔[۳]

علامہ سیّد سلیمان ندویؒ نے مولانا فراہیؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"انھوں نے قرآن کی تفسیر خود قرآن سے کی ہے اور بے بنیاد اسرائیلی روایات پر توجہ نہیں دی ہے۔ اگر کہیں ان روایات کی ضرورت محسوس کی تو خود بنی اسرائیل کے صحیفوں سے ان کا حوالہ دیا ہے، جیسا کہ امام بقاعیؒ نے اپنی تفسیر 'نظم الدّرر' میں یہی روش اختیار کی ہے"۔[۴]

مختصر احوال زندگی

علاّمہ بقاعیؒ کا پورا نام ابراہیم بن عمر بن حسن الرُباط بن علی بن ابوبکر البقاعی الشافعی تھا۔ ۸۰۹ھ میں شام کے ایک گاؤں خربہ رَوحا میں، جو بقاع کی عمل داری میں آتا تھا، پیدا ہوئے۔ اس نسبت سے آپ کو بقاعی کہا جاتا ہے۔[۵] بقاع ہی میں آپ کا بچپن گزرا، پھر آپ دمشق آوارد ہوئے۔ کچھ دنوں تک وہاں سکونت پذیر رہے، لیکن آب وہوا راس نہ آئی اور بیت المقدس کی مقدس سرزمین تک جا پہنچے۔ طبیعت مضطرب اور سیمابی پائی تھی۔ وہاں بھی آپ کو قرار نہ آیا اور قاہرہ کی علمی و سیاسی فضا سے مستفید ہونے نکل کھڑے ہوئے۔ عمر بھر کی ریاضت شاقّہ اور سعی مسلسل کے بعد وہیں مدفون ہوئے جہاں کا خمیر تھا، یعنی دمشق کو آخری آرام گاہ کے لیے منتخب کیا۔ ۸۸۵ھ/ ۱۴۸۰ء میں بھرپور زندگی گزارنے کے بعد اپنے رب سے جا ملے۔[۶]

علوم وفنون میں دست گاہ رکھتے تھے۔ فقہ ونحو کی تعلیم التاج بن بہادر سے حاصل کی۔[۷] علاّمہ ابن الجزری سے قراءتوں کا علم حاصل کیا اور بیت المقدس میں قیام کے دوران عماد بن اشرف، التاج غرابیلی، التقی بن قاضی شہبہ وغیرہ سے حدیث وعلوم حدیث کے سلسلہ میں رجوع کیا اور ان فضلاء کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ حافظ ابن حجر سے حدیث کی تعلیم وتعلم کے سلسلے میں کافی استفادہ کیا۔[۸] قاہرہ میں شرف السبکی، العلاء قلقشندی، قایاتی اور ونائی جیسے ماہرین و اکابر علوم سے کسب فیض کیا۔ شیخ برہان الحلبی، برہان الواسطی، تدمری، مجد برماوی، بدر بوصیری جیسے اساطین نے بقاعی کی تعلیم وتربیت اور علم وفضل کی افزائش میں اپنا حصّہ ادا کیا اور مختلف علوم وفنون کے جواہر سے ان کا دامن بھر دیا۔[۹] علم کی تحصیل کے لیے بقاعی نے اسفار بھی کیے۔ دمشق، حلب، دمیاط، اسکندریہ،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طائف، مدینہ اور قاہرہ کو اپنی علمی تگ و تاز کی جولان گاہ بنایا۔۱۰ مکہ پہنچ کر حج بیت اللہ کی ادائیگی کے بعد کافی دنوں تک اقامت اختیار کی اور وہاں کے ارباب علم و کمال سے مستفید ہوئے۔ انھوں نے علم وفن کی وادیوں کو ہی نہیں طے کیا، بلکہ دشمنوں سے مبارزت اور جہاد میں عملی حصّہ بھی لیا۔ جہاد میں عملی شرکت اور اس کے لیے بحری سفر وہ پہلو ہے جس نے بقاعی کو ممتاز علماء اور منفرد مصنفین کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔ تاریخ میں علم و فضل کی کہکشاں بہت نظر آتی ہے اور ہر دور میں محققین اور ارباب کمال اپنے علم وفن سے عوام کو فیض پہنچاتے رہے ہیں، لیکن ابن تیمیہؒ جیسا محقق صدیوں میں نظر آتا ہے، جو علمی محاذ پر قلم کی جولانیاں دکھانے کے ساتھ دشمنوں کے مقابلہ میں تلوار لے کر غازی اور شہید کا کردار بھی ادا کرتا ہو۔ سخاوی کے بیان کے مطابق بقاعی نے متعدد جنگوں میں حصّہ لیا اور بحری سفر کیے۔۱۱

تصانیف

علاّمہ بقاعی نے علم وفن کی مختلف شاخوں سے متعلق لازوال تصانیف ورثہ میں چھوڑی ہیں۔ اکثر کتابیں یا تو ناپید ہیں اور ان کا تذکرہ سیر وسوانح کی کتابوں میں ملتا ہے یا وہ مخطوطہ کی شکل میں ہیں اور ابھی ارباب علم و کمال کی توجہ سے محروم ہیں۔ بعض شاہ کار زیور طباعت سے آراستہ ہو کر خراج تحسین وصول کر چکی ہیں۔ سیر وسوانح کی مختلف کتابوں۱۲ کی مدد سے ان کی تصانیف کی فہرست ذیل میں درج کی جا رہی ہے:

۱- **أسد البقاع الناهسة فی معتدی المقادسة:** یہ کتاب بیت المقدس میں تدریس حدیث کی مخالفت کرنے والوں کے جواب میں لکھی گئی ہے۔

۲- **الأسفار عن الشردة الأسفار:** یہ کتاب ۸۴۴ھ میں معرض وجود میں آئی۔ اس میں جہادی اسفار کی داستان بیان ہوئی ہے، جب کہ قبرص اور روس کی فتوحات کے لیے مصنف نے سمندری سفر کیا، لیکن اس طویل سفر میں قلعہ المیش کی فتح کے سوا کوئی اور مہم کامیاب نہیں ہو پائی۔ کتاب کی ابتدا جہاد کے وجوب سے ہوتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳- **اشلاء الباز علیٰ ابن الخباز:** یہ کتاب اپنے فریق ناصرالدین الزفتاوی کے اعتراضات کے جواب میں لکھی تھی۔ مصنف نے لکھا ہے کہ ان کے معاصر نے جب یہ کتاب پڑھی تو اسے سخت ندامت ہوئی اور اس نے مصنف کو اپنے شیوخ میں شامل کرلیا۔

۴- **الإطّلاع علیٰ حجّة الوداع**

۵- **الأقوال القويمة فی حكم النقل من الكتب القديمة:** یہی کتاب ہے جس کا حوالہ مولانا سید سلیمان ندوی نے مولانا حمیدالدین فراہی کی کتاب فاتحۃ نظام القرآن کا مقدمہ لکھتے وقت دیا ہے۔ مصنف کے مطابق اسرائیلی روایات کو بیان کرنا جائز نہیں ہے، ہاں اگر قدیم الہامی کتب کے حوالوں کی ضرورت تفسیرِ قرآن کے وقت محسوس کی جائے تو براہ راست ان کتابوں سے استفادہ کرنا درست ہے۔

۶- **النكت الوافية بما فی شرح الألفية:** ۱۳؎ امام زین الدین عبدالرحیم العراقی (متوفی ۸۰۶ھ) نے اپنی کتاب ألفیۃ العراقی فی اصول الحدیث میں ابن الصّلاح کی کتاب علوم الحدیث کی تلخیص کی تھی۔ بقاعی نے اس پر حواشی تحریر کیے اور اپنے شیخ ابن حجرؒ سے استفادہ کرتے ہوئے اس حاشیہ کو مکمل تصنیف بنادیا۔

۷- **إنارة الفكر بما هو الحق فی كيفية الذكر:** یہ کتاب گم راہ صوفیوں کی بداعمالیوں کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ مصنف نے خود لکھا ہے کہ دمشق میں انھوں نے جامع مسجد میں ایک شیخ کے گرد عوام کی ایک بھیڑ کو رقص اور نعرہ بازی کرتے ہوئے دیکھا۔ اس بے ہودہ خلافِ شرع حرکت پر انھوں نے ایک رسالہ لکھا اور شریعت کی روشنی میں اس کا بطلان واضح کیا۔ یہ کتاب مصنف نے اپنی وفات سے چار ماہ پہلے ۸۸۱ھ میں مکمل کی تھی۔

۸- **الباحة فی علمی الحساب والمساحة:** یہ رجزیہ منظوم تصنیف ہے۔ بعد میں مصنف نے اس کی نثری تشریح کی اور اس کا نام الإباحۃ رکھ دیا۔

۹- **بيان الإجماع علیٰ منع الاجتماع فی بدعة الغناء والسماع:**

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کتاب میں، جیسا کہ نام سے واضح ہے، مصنف نے غناء اور سماع کی حرمت پر گفتگو کی ہے اور قرآن وسنت سے دلائل دینے کے علاوہ محدثین وفقہاء کے اقوال سے یہ استشہاد کیا ہے کہ ہر دور میں علماء، اصحاب حدیث وفقہ اور مفسّرین نے غنا وسماع کی روایات کو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔

۱۰- جواب الجواب للسائل المرتاب المعارض المجادل فی کفر ابن الفارض: ابوحفص عمر بن علی ابن الفارض (م ۵۷۶ھ) نے ایک نعتیہ قصیدہ لکھا اور اس کا نام لوائح الجنان وروائح الجنان رکھا، لیکن ایک دن انھوں نے خواب میں رسول اکرم ﷺ کی ہدایت سنی کہ اس کا نام نظم السلوک رکھیں۔ اس نعتیہ قصیدہ میں تغزّل اور حسن وعشق کا رنگ غالب ہے، اسی لیے علماء کے درمیان اس کی موافقت ومخالفت پر کافی معرکہ آرائی ہوئی ہے۔ بقاعی نے بھی اس کتاب پر کافی اعتراضات کیے اور یہ سوال اٹھایا کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے مؤنث کا صیغہ یا ضمیر استعمال کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح وحدت الوجود وغیرہ کے مسئلوں پر بھی گفتگو کی۔ مصنف نے خود لکھا ہے کہ ۸۷۴ھ میں قاہرہ میں ایک بے وقوف نے ابن الفارض کی کتاب کی ایک شرح پڑھنی شروع کی تو ابن الشحنہ حنفی نے اس کتاب کے مصنف کی تکفیر کا فتویٰ دیا، پھر تو استفتاء جاری ہوا اور متعدد علماء نے اس کا جواب دیا، لیکن کسی کو حق بات کہنے کی جرأت نہ ہوسکی۔ بقاعی نے اس استفتاء کا جواب دیا اور پھر ڈیڑھ سو اشعار کا ایک انتخاب مع تشریح پیش کیا، جس میں ثابت کیا کہ ان کی تکفیر کے علاوہ اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔[۱۴]

۱۱- تحذیر العباد من أھل العناد ببدعة الاتحاد: اس رسالہ میں مصنف نے وحدت الوجود کا ابطال کیا ہے اور اس کے خلاف شرع آثار واثرات پر قرآن وسنت کی روشنی میں گفتگو کی ہے۔

۱۲- تدمیر المعارض فی تکفیر ابن الفارض: اس کتاب میں بھی مصنف نے ابن الفارض کے افکار سے بحث کی ہے۔

۱۳- تھدیم الأرکان فی من لیس فی الإمکان أبدع ممّا کان: اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتاب میں مصنف نے فلاسفہ کے اقوال پر گرفت کی ہے اور وحدت الوجود کے قائل صوفیاء و علماء پر تنقید کی ہے۔ انھوں نے امام غزالیؒ کی کتاب 'إحیاء علوم الدین' کا بھی محاسبہ کیا ہے اور اس کے بعض مندرجات سے اختلاف کیا ہے۔ مثال کے طور پر فلاسفہ کے اس قول پر کہ ''لیس فی الإمکان أبدع ممّا کان'' بقاعی نے اعتراض کیا ہے اور امام غزالی کے اس قول کو وحدت الوجود فلسفہ کے حاملین کا قول قرار دیا ہے۔ اور امام موصوف کے اس قول کو نامناسب قرار دیا ہے کہ اگر موجودہ وجود سے بہتر وجود فرض کرلیا جائے تو اس مفروضہ کو نہ ماننا اور اسے اختیار نہ کرنا بخل اور عجز سمجھا جائے گا''۔ یہ کتاب ۸۸۳ھ میں مکمل ہوئی۔

۱۴- **شرح جمع الجوامع فی اصول الفقه:** سخاوی نے لکھا ہے کہ علاّمہ بقاعی نے فقہ پر کوئی تصنیف نہیں چھوڑی، لیکن اس کتاب کے نام سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ علاّمہ تاج الدین عبدالوہاب بن علی ابن السبکی الشافعی (متوفی ۷۷۱ھ) کی کتاب جمع الجوامع (جو اصول فقہ سے متعلق ہے) کی شرح لکھ کر فاضل مصنف نے اصول فقہ پر عبور کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

۱۵- افضل الدین محمد بن ناماور ابن عبدالملک الخونجی (متوفی ۶۴۶ھ) نے منطق کے موضوع پر **الجمل فی مختصر نهاية الأمل فی المنطق** لکھی، جس کی شرح متعدد فضلاء نے کی۔ خونجی کی اس کتاب کے منظوم ترجمے بھی ہوئے۔ علاّمہ ابوعبداللہ محمد بن مرزوق تلمسانی (متوفی ۸۴۲ھ) کے منظوم نسخہ کی تحریر و تہذیب کا کام بقاعی نے انجام دیا۔ یہ کام ۸۶۱ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

۱۶- **جواهر البحار فی نظم سيرة النبی المختار:** یہ ایک ارجوزہ ہے، جسے مصنف نے مصر کے ایک قصبہ رشید میں ترتیب دیا تھا۔ بعد میں انھوں نے دو جلدوں میں اس کی شرح بھی لکھی۔[۱۵]

۱۷- **دلالة دلائل البرهان لمنصفی الإخوان علیٰ طريق الإيمان:** یہ کتاب جمادی الاولیٰ ۸۷۷ھ میں مکمل ہوئی۔[۲۹]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۸- **أحسن الکلام:** ابواسماعیل عبداللہ بن محمد انصاری ہروی (م ۴۸۱ھ) کی تصنیف **ذمّ الکلام** کو بقاعی نے اپنے شیخ ابن حجر عسقلانیؒ سے قاہرہ میں سنا تو رمضان ۸۴۶ھ میں اس کا انتخاب تیار کیا۔ (ایک انتخاب چھوٹا ہے اور دوسرا بڑا۔ اس کا نام انھوں نے اُحسن الکلام رکھا۔

۱۹- **رفع اللثام عن عرائس النظام:** یہ عروض وقوافی پر ایک مختصر رسالہ ہے۔ پہلا حصّہ عروض پر اور دوسرا قافیہ پر مشتمل ہے۔ اس کی تالیف سے ربیع الاوّل ۸۴۸ھ میں فراغت ہوئی۔

۲۰- **السیف المسنون اللماع علیٰ المفتی المفتون بالإبتداع:** علاّمہ جلال الدین سیوطی نے نمازوں کے بعد سورۂ فاتحہ کی قرأت کو لازم قرار دیا ہے۔ اس کتاب میں اس کی تردید کی گئی ہے۔

۲۱- **الضوابط والإشارات لأجزاء علم القراءات:** علم قرأت پر یہ ایک عمدہ تصنیف ہے۔ اس میں دو ابواب وسائل اور مقاصد پر ہیں۔ وسائل کا باب سات اجزاء پر اور مقاصد کا باب دو اجزاء پر مشتمل ہے۔ مقاصد کے پہلے جزء میں اصولی بحثیں اور دوسرے جزو میں سورتوں سے متعلق گفتگو ہے۔

۲۲- **عظم وسیلۃ الإصابۃ فی صفۃ الکتابۃ:** یہ کتاب منظوم ہے۔ مصنف نے خود ذکر کیا ہے کہ نورالدین ابوالثناء محمود بن احمد ابن خطیب الدہشہ المصری الحموی کی کتاب منظومۃ خط اور رسم الخط نیز کتابت کے موضوع پر ہے۔ مصنف نے اس کی تشریح لکھی اور اضافے بھی کیے، پھر اسے نظم کی شکل دے دی۔

۲۳- **النکت علیٰ شرح العقائد:** یہ امام نسفیؒ کی کتاب 'عقائد نسفی' پر حاشیہ اور اس کی شرح ہے۔ اس میں انھوں نے اس کتاب کے بہت سے پیچیدہ مسائل حل کیے ہیں۔

۲۴- **عنوان الزمان فی تراجم الشیوخ والأقران:** اس کتاب میں مصنف نے اپنے معاصرین کا تذکرہ کیا ہے اور حروف تہجی کی ترتیب سے مشائخ وعلماء،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تلامذہ واحباب کے حالات، خاندانی کیفیات اور وفیات پر اچھا مطالعہ پیش کیا ہے۔ بعد میں انھوں نے اس کتاب کی ایک تلخیص بھی 'عنوان العنوان' کے نام سے تیار کی۔ سخاوی نے اس کتاب کے مندرجات پر سخت اعتراض کیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ بقاعی نے سوانح نگاری میں اپنے معاصرین پر ظلم کیا ہے اور ان کی تنقیص اور ہجو کی ہے۔[۱۶] بعد کے مورخین نے سخاوی کے اس اعتراض کو معاصرانہ چشمک سے زیادہ اہمیت نہیں دی ہے۔

۲۵- **الفارض:** بقاعی نے اپنی کتاب دلالۃ دلائل البرہان میں لکھا ہے کہ جو شخص ان دلائل کا تفصیل سے مطالعہ کرنا چاہے اسے میری کتاب **الفارض** کا مطالعہ کرنا چاہیے، کیوں کہ وہ کتاب ایک بحر ذخّار اور ایک عظیم یادگار ہے، جس سے اس دور کا ایک دین دار شخص بے نیاز نہیں رہ سکتا۔

۲۶- **الفتح القدسی فی آیۃ الکرسی:** اس رسالہ میں مصنف نے آیۃ الکرسی کا درمیانی نظم اور اس کے فضائل بیان کیے ہیں اور اسی میں اپنی دوسری کتاب مصاعد النظر بھی شامل کردی ہے۔ قاہرہ میں شعبان ۸۷۹ھ میں یہ کتاب مکمل ہوئی۔

۲۷- **القول المفید فی اصول التجوید:** اس میں اصول تجوید سے متعلق ایک اچھی بحث ہے۔

۲۸- **خیرالزاد من کتاب الاعتقاد:** بقاعی نے ابوبکر احمد بن حسین بیہقیؒ (م۴۵۸ھ) کی مشہور تصنیف '**الاعتقاد والھدایۃ الیٰ سبیل الرشاد**' اپنے شیخ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کو پڑھ کر سنائی اور اس کا انتخاب 'خیرالزاد' کے نام سے ۸۶۱ھ میں مکمل کیا۔

۲۹- **سرُّالروح:** ابن العربیؒ کی مشہور تصنیف کتاب الرّوح کی تلخیص ہے۔

۳۰- **کفایۃ القاری فی روایۃ أبی عمر**

۳۱- **مالا یستغنی عنہ الانسان من ملحّ اللسان:** یہ رسالہ علم نحو سے متعلق ہے۔ ۸۳۶ھ میں لکھا گیا۔

۳۲- **مصاعد النظر للإشراف علیٰ مقاصد السُّور:** اس رسالہ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ثابت کیا گیا ہے کہ ہر سورہ کا جو نام رکھا گیا ہے وہ سورہ کے مضمون سے ہم آہنگ ہے۔

۳۳- **اخبار الجلاد فی فتح البلاد**

۳۴- **بذل النصح و الشفقة للتعريف بصحبة ورقة۔**

۳۵- **إشعار الواعی بأشعار البقاعی:** یہ فاضل مصنف کا شعری مجموعہ ہے۔ اس میں بعض اشعار بڑے پایہ کے ہیں۔ بعض اخلاق و مواعظ سے بھی متعلق ہیں۔

۳۶- **الإعلام بِسَنّ الهجرة الیٰ الشام۔**

۳۷- **مصرع التصوف**

۳۸- **مختصر فی السیرة النبویة و الثلاثة الخلفاء**

۳۹- **القول المألوف فی الردّ علی منكر المعروف**

۴۰- **نظم الدّرر فی تناسب الآیات و السور.** [۷] اس کا آغاز شعبان ۸۶۱ھ میں ہوا اور شعبان ۸۷۵ھ میں یہ مکمل ہوئی۔ گویا پورے چودہ سال میں یہ پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

بقاعی کی تصانیف کی مندرجہ بالا فہرست کو دیکھ کر یہ فیصلہ کرنا چنداں مشکل نہیں کہ انھوں نے منطق و فلسفہ، تصوف و الٰہیات، فقہ و حدیث اور قرآن و علوم قرآن، غرض یہ کہ ہر فن پر تصانیف چھوڑی ہیں اور ان میں ہر ایک شاہ کار اور علم و فن پر ایک اضافہ ہے۔ لیکن ان کی اصل شہرت آخر الذکر کتاب سے ہوئی۔ یہ قرآن پاک کی ایسی عجیب و غریب اچھوتی تفسیر ہے، جو تفسیری سرمایہ میں ایک قابل قدر اضافہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

تفسیر نظم الدّرر

یہ کتاب دائرۃ المعارف حیدرآباد سے ۱۹۶۹ء میں ڈاکٹر محمد عبدالمعید خان کی ادارت میں کئی ضخیم جلدوں میں طبع ہوئی۔ بقاعی نے جب اس کی تالیف کا آغاز کیا تو معاصر علماء نے اس کے خلاف فضا بنانے کی کوشش کی، کیوں کہ ان کی نگاہ میں اسلاف کے طرز تفسیر سے ہٹ کر عجائب و غرائب کی حامل اس تفسیر سے بدعت کا ارتکاب ہو رہا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھا۔ چناں چہ انھیں دمشق سے کوچ کرنا پڑا۔ ۱۸؎ خود مصنف نے کتاب کی تالیف کی کہانی ان الفاظ میں بیان کی ہے:

”جب میں اس بحر ذخّار میں گھس گیا اور اس کی عمارت اپنی بنیادوں پر استوار ہوگئی اور تقریباً نف حصّہ میں نے مکمل کرلیا تو فضلاءِ وقت نے اس کے حسنِ نظم، معانی کی گہرائی و گیرائی، طرز بیان کے استحکام و سلاست اور حسنِ مناسبت کو سراہا اور توقع سے بڑھ کر اس کی پذیرائی ہوئی، لیکن حسد و بغض اور کینہ و نفرت والے قلبی بغض اور نفسی مرض میں مبتلا ہوگئے، چنانچہ انھوں نے اعتراضات اور کینوں کے تیر چلانے شروع کیے اور الزامات و اتہامات کی ایسی کثرت ہوگئی کہ قصّے کہانیاں جنم لینے لگیں۔ یہ سلسلہ سالوں تک جاری رہا اور دلی تکلیف اور قلبی تکان حد سے بڑھ گئی، چنانچہ میں نے بعض مسائل کو واضح کرنے کے لیے **مصاعد النظر فی الاشراف علیٰ مقاصد السور** لکھی اور اس کے بعد **الاقوال القویمة فی حکم النقل من الکتب القدیمة** تالیف کی۔ اللہ نے استقامت عطا کی۔ صبر و ثبات کی توفیق ارزانی ہوئی، تا آں کہ یہ کتاب پایۂ تکمیل کو پہنچی۔“

اس کتاب کی امتیازی خصوصیت وفضیلت کی طرف خود صاحبِ کتاب نے اس طرح اشارہ کیا ہے:

هل رأيتهم يا أولى التفسير من — صاغ تفسيراً كنظم الدرر

دقّ معنىً جلّ سبكاً لفظه — في وجوه الفكر مثل الغرر ۱۹؎

(اے تفسیر والو، تم نے کسی ایسے شخص کو دیکھا ہے جس نے نظم الدُّرر کی طرح کوئی تفسیر لکھی ہو جس کے معانی گہرے ہوں، الفاظ سبک خرام ہوں اور فکر کے چہروں پر طلوع صبح کی مانند تاباں اور ضوفشاں ہوں!)

مصنف نے اس کتاب کا مقصد تالیف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ”یہ ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عجیب وغریب کتاب ہے، عظیم الشان اور رفیع القدر ہے، ایک ایسے فن پر مشتمل ہے جس پر میرے خیال میں کسی نے طبع آزمائی نہیں کی، نہ کسی صاحب فکر نے اس موضوع پر پہلے غور کیا ہے۔ اگر اللہ نے چاہا تو اس کتاب میں سورتوں اور آیتوں کی ترتیب کی مناسبت بیان کروں گا۔ میں نے اس پر غور وفکر کیا اور کتاب الٰہی کی روشنی میں تدبر وتفکر کا فریضہ ادا کیا، تاکہ فرمان الٰہی لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ (ص:۲۹) (تاکہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل وفکر رکھنے والے اس سے سبق لیں) پر عمل ہو سکے اور حضرت علیؓ کے اس ارشاد کی تعمیل ہو سکے، جس کی تخریج امام بخاری نے کتاب الجہاد میں حضرت ابوجحیفہ کے واسطہ سے کی ہے کہ میں نے حضرت علیؓ سے پوچھا: کیا کتاب الٰہی کے سوا وحی کا کوئی اور حصّہ آپ کے پاس محفوظ ہے؟ انھوں نے فرمایا: نہیں، قسم ہے اس ذات کی جو زمین سے دانہ نکالتا اور روح کی تخلیق کرتا ہے، مجھے کسی اور وحی کا علم نہیں، سوائے اس فہم کے جس سے اللہ کسی شخص کو نوازتا ہے اور سوائے اس صحیفہ کے‘‘۔[۲۰]

آگے مزید لکھتے ہیں:

’’میں نے اس تفسیر کو قاضی ناصر الدین بیضاوی کی تفسیر کا ردیف اور معاون قرار دیا ہے ... میں نے اس تفسیر کا نام ’نظم الدُّرر فی تناسب الآیات والسّور‘ رکھا۔ اسے ’فتح الرحمن فی تناسب أجزاء القرآن‘ کہنا مناسب ہوگا، بلکہ سب سے موزوں نام اس تفسیر کے لیے ’ترجمان القرآن و مبدی مناسبات الفرقان‘ ہوگا۔‘‘[۲۱]

اس تفسیر کی خصوصیات

اس تفسیر کی اہم ترین خصوصیت، جیسا کہ اس کے محرکات اور تصنیفی پس منظر سے بھی معلوم ہوتا ہے، یہ ہے کہ اس میں قرآنی سورتوں اور آیتوں کی موجودہ ترتیب کی حکمت ومعنویت بیان کی گئی ہے۔ اس تفسیر میں فاضل مصنف نے کمال درجہ کی مہارت، ادبی بلاغت اور فہم قرآن پر عبور کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ یہ عالم اسلام کی پہلی تفسیر ہے جس میں قرآنی آیات کے درمیان ربط دکھانے کی شعوری اور منظّم کوشش کی گئی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تفسیر کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ فاضل مصنف نے ہر سورہ کے نام اور اس کے مضمون میں مناسبت ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے اور اس تحقیق میں بڑے عجیب و غریب اور چونکا دینے والے نکات ان کے گہربار قلم سے وجود میں آئے ہیں۔ پھر عجیب بات یہ ہے کہ ہر سورہ میں بسم اللہ کی تشریح اس طرح کی ہے جو سورہ کے مطلب و مضمون سے ہم آہنگ ہے۔مثال کے طور پر سورۂ فاتحہ کے مختلف ناموں اور اس کے مضمون کے درمیان انھوں نے یہ مناسبت بیان کی ہے:

''فاتحہ کے مختلف نام ہیں: اُمّ الکتاب ، الأساس، المثانی، الکنز، الشافیة، الکافیة، الوافیة، الرقیة، الحمد، الشکر، الدعاء، الصّلوٰۃ ۔ یہ تمام نام، جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، ایک مخفی امر پر منحصر ہیں، جو ہر مراد کے لیے کافی ہے اور وہ مخفی امر مراقبہ ہے، جس کے بارے میں آگے وضاحت کروں گا کہ وہی مقصود و مطلوب ہے۔ ہر وہ چیز جس کا آغاز مراقبہ سے نہ ہو، لائق اعتنا نہ ہوگی۔ مراقبہ ہر خیر کی بنیاد اور ہر بھلائی کی اساس ہے اور مراقبہ قابل لحاظ اسی وقت ہوتا ہے، جب کہ وہ بار بار دہرایا جائے۔ مراقبہ ہر چیز کا خزانہ ہے۔ ہر مرض کے لیے شفا، ہر غم کے لیے کافی اور ہر مقصد کی تکمیل کے لیے بس کرتا ہے، ہر تکلیف سے بچاتا ہے، ہر صاحب فکر کے لیے ترقی کا زینہ ہے۔ یہ اس حمد کا اثبات ہے جو کمالی صفات کا احاطہ کرتی ہے اور اس سے اس شکر کا بھی اثبات ہوتا ہے، جو درحقیقت منعم حقیقی کی تعظیم ہے۔ مراقبہ عین دعا ہے، کیوں کہ مراقبہ مدعو کی طرف یکسوئی کا نام ہے اور مراقبہ کی تمام شکلوں کی جامع درحقیقت نماز ہے''۔[۲۲]

اس طرح مصنف نے سورہ کے مضمون کو اس کے تمام ناموں کے معنیٰ سے مربوط کر دیا ہے۔ آگے وہ مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''جس غرض کے لیے سورہ فاتحہ قرآن میں شامل کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ تمام محمودہ اوصاف اور کمالی صفات کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے اللہ کا استحقاق ثابت کیا جائے، دنیا و آخرت کی ملکیت کو اس کے ساتھ مخصوص کیا جائے، فوز و فلاح پانے والوں کے راستہ پر چلانے اور ہلاکت میں گرنے والوں کے طریقہ سے نجات دینے کی دعا کرنے کا بندے کو مستحق ثابت کیا جائے، عبادت و استعانت کو بندے کے ساتھ مخصوص کیا جائے اور ان تمام افعال کا مرکز ومحور خدا کی ذات کو قرار دیا جائے۔ سورہ فاتحہ کی اس غرض کا انحصار تمام تر انسانوں کے اس رویہ پر ہے کہ وہ خدا ہی کو معبود مان کر اسی سے مراقبہ کریں۔ یہ مراقبہ سورۂ فاتحہ کا مقصود بالذات ہے اور دوسری اشیاء اس تک پہنچنے کے لیے وسائل ہیں۔ اس کے لیے یہ ثابت کرنا ناگزیر ہے کہ اللہ ہر چیز کو محیط ہے اور یہ اس وقت تک ثابت نہیں ہوسکتا جب تک کہ یہ معلوم نہ ہوجائے کہ خالق اور مالک و ملک ہونا اسی ذات کے لیے خاص ہے، کیوں کہ رسولوں کو بھیجنے اور کتابوں کو نازل کرنے کا مقصد شریعتوں کا قیام ہے اور شریعتوں کی اقامت سے مقصود مخلوقِ خدا کو حق پر جمع کرنا ہے اور مخلوق کو جمع کرنے کا نصب العین بادشاہ حقیقی کے تعارف اور اسے راضی کرنے کی کوشش پر ابھارنے سے متعلق ہے اور یہ دراصل قرآن کا مقصود و مطلوب ہے، جس کو سورۂ فاتحہ نے پہلے ہی مرحلہ میں اپنے لوازمہ میں اہمیت دی ہے۔ یہ مقصد اسی وقت پورا ہوسکتا ہے جب کہ علمی و عملی دونوں پہلوؤں سے اس کا ذکر کیا جائے۔ اور چوں کہ خلق خدا کو جمع کرنے کا مقصد عبادات سے تعارف حاصل کرنا ہے اور حرکت و سکون تمام حالتوں میں خدا کے نام سے چمٹے رہنے سے مراقبہ اور خوف خداوندی پیدا ہوتا اور یہ اعتقاد مضبوط ہوتا ہے کہ معاملات کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں ہے اور ہر کام کے آغاز میں بسم اللہ مشروع قرار دیا گیا ہے، اس لیے قرآن کی ابتداء فاتحہ سے ہوئی اور فاتحہ کا آغاز بسم اللہ سے ہوا اور تسمیہ سے پہلے تعوّذ پڑھنے کی تلقین کی گئی، جو مفاسد اور منکرات سے دور رہنے کے لیے اور قرآن کی تعظیم کی خاطر ہے۔ اس سے اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ قرآن کی تلاوت کرنے والے کو اپنے دل کو پاک صاف کرلینا چاہیے اور منتشر خیالات کو مجتمع کرلینا چاہیے، تاکہ اس کی درخواست اور مطلوب سعادت کے خزینوں سے مالا مال ہوجائے، وہ حسد و بغض والے دشمنوں سے منہ پھیر لے اور محبت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے والے اور سرپرست و آقا کی طرف متوجہ ہوجائے۔ یہیں سے معوذتین کی سورۂ فاتحہ سے مناسبت اور تعلق سمجھ میں آتا ہے۔ ۲۳

نظم الدّرر کی تیسری خصوصیت اس کا ادبی و بلاغتی طرز تفسیر اور اسالیب قرآن سے خصوصی شغف ہے۔ مصنف نے اس پہلو پر بھی اپنی ہمت و صلاحیت کے مطابق دادِ تحقیق دی ہے۔ قرآن کی مندرجہ ذیل آیت کا مطالعہ کیجیے:

یُخٰدِعُونَ اللّٰهَ وَالَّذِیْنَ آمَنُوا وَمَا یَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُم وَمَا یَشْعُرُونَ۔ (البقرۃ:۹)	وہ اللہ اور ایمان لانے والوں کے ساتھ دھوکہ بازی کر رہے ہیں، مگر در اصل وہ خود اپنے آپ ہی کو دھوکے میں ڈال رہے ہیں۔

اس آیت میں پہلے یُخٰدِعُونَ کا لفظ آیا ہے، جو مخادعۃ یعنی مفاعلۃ کے باب سے ہے اور اس کے بعد یَخْدَعُونَ کا صیغہ ہے جو باب فتح سے ہے۔ ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ اور ابواب کی تبدیلی سے معنیٰ میں کیا فرق واقع ہوگیا ہے؟ اس پر فاضل مصنف تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وَمَا یَخْدَعُونَ میں مفعول کے حذف کی قراءت یُخٰدِعُونَ کی قراءت کے منافی نہیں ہے، کیوں کہ جو مطلق ہو وہ مبالغہ سے مقیّد لفظ کی مخالفت نہیں کرتا۔ یہاں مفاعلۃ کا صیغہ استعمال ہوا ہے، کیوں کہ- جیسا کہ استاذ الحرّالی نے لکھا ہے- انھیں معلوم تھا کہ ان کے معاملات بعض اوقات فساد پر مبنی ہوتے ہیں اور بعض افراد مسلسل فساد انگیزی پر تُلے رہتے ہیں۔ پھر مجرّد کا صیغہ استعمال ہوا، کیوں کہ ان کے تمام امور اکثر اوقات فساد میں ملوث رہتے ہیں اور پورا معاشرہ اس کا شکار رہتا ہے۔ 'خدع' کی نسبت اگر اللہ کی طرف کرنی ہو تو مفاعلۃ کا صیغہ استعمال نہیں ہوسکتا۔ اس وقت مجرد کا صیغہ ہی استعمال ہوگا، کیوں کہ کفار و مشرکین اور دشمنانِ اسلام کو معلوم نہیں ہوتا کہ ان کے سلسلے میں اللہ نے کیا چال چلنے کا فیصلہ کیا ہے؟ اور وہ کون سی تدبیر ہے جو قدرت ان کے خلاف محفوظ کیے ہوئے ہے؟ اسی لیے سورہ نساء میں قرآن کہتا ہے: یُخٰدِعُونَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ (النساء:۱۴۲) (یہ اللہ کے ساتھ دھوکہ بازی کر رہے ہیں، حالاں کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درحقیقت اللہ ہی نے انھیں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے) ۲۴؎ یہاں خدع ومکر کی نسبت اللہ کی طرف کرنی ہوئی تو ثلاثی مجرد کا صیغہ اسم فاعل استعمال کیا گیا۔

اسی سورہ کی آیت نمبرے امثلھم کَمَثَلِ الَّذِیْ اسْتَوْقَدَ نَاراً فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَہٗ (ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے آگ روشن کی اور جب اس نے سارے ماحول کو روشن کردیا تو اللہ نے ان کا نورِ بصارت سلب کرلیا اور انھیں اس حال میں چھوڑ دیا کہ تاریکیوں میں انھیں کچھ نظر نہیں آتا) میں پہلے ضمیر غائب جمع (ھُم) آئی، پھر ماحولہٗ میں ضمیر مجرد واحد الذی اسم موصول کی مناسبت سے استعمال ہوئی، لیکن آگے پھر بنورھم میں ضمیر غائب جمع واپس آگئی۔ اس الٹ پھیر کی حکمت اور مناسبت پر فاضل مصنف نے لکھا ہے: ''الذی استوقد ناراً میں واحد کا صیغہ دراصل رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارہ کرنے کے لیے آگیا ہے، کیوں کہ ہر تمثیل میں بعض ایسے الفاظ موجود ہوتے ہیں جن سے اصل حقیقت کی طرف اشارہ ہوجاتا ہے اور مخاطب ممثّل لہٗ کو فوراً پالیتا ہے۔ ذھب اللہ بنورھم میں ضمیر غائب مجرور جمع کے صیغہ میں مستعمل ہوئی، تاکہ یہ واضح ہوجائے کہ سارے مخاطب نور ایمان سے محروم ہیں۔ یہ غلط فہمی نہ پیدا ہو کہ ان میں بعض لوگ نور سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ پھر نور کا لفظ بھی واحد استعمال ہوا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ ابتدا میں روشنی بہت تھی، لیکن بعد میں چوں کہ بجھ گئی ہے اس لیے برائے نام روشنی رہ گئی ہے اور یہی برائے نام روشنی ہی ان کی کل کائنات تھی۔ یہاں نور کی جگہ ضوء کا لفظ نہیں آیا، تاکہ یہ غلط فہمی نہ پیدا ہو کہ روشنی کا اضافہ کچھ کم ہوا ہے اور اصل روشنی باقی ہے، کیوں کہ قرآنی استعمالات میں ضوء کا لفظ مطلق نور سے زیادہ بڑا معنیٰ رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کہتا ہے: هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُوراً۔ (یونس:۵) (وہی ہے جس نے سورج کو اجیالا بنایا اور چاند کو چمک دی)

فاضل مفسر کے بہ قول مشرکین کی حالت یہ ہوگئی کہ روشنی مدھم پڑگئی، البتہ آگ باقی رہ گئی، جس کی حرارت پر وہ مجتمع رہیں، لیکن اس کی روشنی سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ أضاءت سے یہ کنایہ ملتا ہے کہ ابتدا میں ان کی طاقت دوآتشہ تھی، پھر کم ہوگئی،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیوں کہ باطل پہلے گرجتا اور کڑکتا ہے، پھر دُم دبا کر ثابت قدم رہنے والوں کے مقابلہ میں بھاگ کھڑا ہوتا ہے''۔۲۵؎ ''یہ حقیقت تمثیل کے ذریعہ عوام کے ذہن نشین کرائی گئی، کیوں کہ مثالوں سے معاملات زیادہ واضح ہوتے اور حقائق بڑی خوب صورتی سے منطبق ہوجاتے ہیں۔ تمثیل کا فائدہ بقاعی کے نزدیک یہ ہے کہ جامد ذہنوں کو معانی وحقائق سے آشنا کرانے میں اس سے بڑی مدد ملتی ہے اور وہ دلوں میں سیدھے جاگزیں ہوجاتے ہیں''۔۲۶؎ مصنف نے استاذ ابوالحسن الحرالی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''چوں کہ قرآن وقفہ وقفہ سے نازل ہوا ہے اور تخلیق انسانی کے ارتقاء کے مختلف مراحل ہیں، اس لیے محسوس و مشاہد اشیاء سے غیر محسوس اشیاء کی مثالیں دی جاتی ہیں۔ ممثول جس قدر نمایاں اور ظاہر ہو وہ مخفی تر حقائق کے لیے اتنی ہی بڑی مثال بن جاتا ہے۔ اسی لیے مثل بھی مختلف نوعیت کی ہوتی ہیں۔ بعض مثالیں اپنی وضاحت وظہور میں اتنی نمایاں ہوتی ہیں کہ وہ ممثول نہیں بن سکتیں اور بعض ممثول مخفی تر اشیاء کے لیے اتنی نمایاں مثالیں بن جاتی ہیں کہ وہ حد درجہ محسوس ومعلوم ہونے لگتی ہیں۔ قرآن نے آسمانوں، زمین، عرش اور کرسی کو محسوس ومعلوم اعلیٰ مثال قرار دیا ہے۔ (الروم:۲۷) اس اعلیٰ مثل کے بعد دوسری جامع ومفصّل امثال ہیں، جن میں انسان کی جان اور اس کا نفس بھی ہے۔ (الروم: ۲۸) مچھر اور مکھی تک کی مثالیں اللہ نے اظہار حقیقت کے لیے بیان کی ہیں۔ (العنکبوت: ۱۴) مثال کا حکم وہی ہوگا جو ممثول (جس کی مثال دی جارہی ہے) کا ہوگا۔ اگر ممثول حسین ہے تو مثال بھی حسین ہوگی اور اگر ممثول بدنما اور بدصورت ہے تو مثال بھی ویسی ہی ہوگی۔ چوں کہ اعلیٰ ترین مثال حمد کی ہے اسی لیے سورۂ فاتحہ کا آغاز حمد سے ہوا اور چوں کہ خلقِ خدا کی مخفی ترین خصلت نفاق ہے، اس لیے سورۂ بقرہ میں اولین ترتیبی مثال منافقین کی بیان ہوئی اور یہ خصلت وہ ادنیٰ ترین مخفی شئ ہے جو مخلوق خدا سے تعلق رکھتی ہے۔ اسی طرح حق کی پوشیدہ اعلیٰ ترین مثل حمد کی ہے اور ان دونوں کے درمیان اچھے اور بُرے امثال ہیں۔ (الجمعۃ: ۵، الرعد: ۳۵، الاعراف: ۱۷۶) مثل جس قدر اعلیٰ، ادنیٰ یا متوسط ہوگی اسی تناسب سے مومن کے ایمان، عالم کے علم اور صاحب فہم کے فہم میں اضافہ ہوگا اور جو اس سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متضاد صفات رکھتے ہیں ان کی ضلالت و جہالت میں اسی قدر اضافہ ہوگا۔ (البقرۃ:۲۶) امثالِ قرآنی کی معرفت کا مطلب اس کے تمام ممثولات کا احاطہ اور اس کی آیات کا علم ہے۔ اس میں عقل، دماغ اور ذہن لگانے کے ساتھ قرآنی حرف کا علم حاصل کرنا بھی شامل ہے''۔۲۷

علمی لطائف

تفسیر کی علمی و استنادی حیثیت کا اندازہ ان علمی لطائف سے بھی ہوتا ہے جو تفسیر کے درمیان مصنف کے قلم سے بیان ہوئے ہیں۔ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں عبادت اور علم کا رشتہ وہ اس طرح قائم کرتے ہیں: ''محکم آیات کا ایک جامع حکم وہ ہے جس سے سورہ اقرأ کی ابتدا ہوتی ہے (إقرأ) اور دوسرا جامع حکم وہ ہے جو یٰآیُّھا الناس اعبدوا ربکم میں موجود ہے۔ ان دونوں کے درمیان نظم اور تعلق یہ ہے کہ قلب کی عبادت معرفت خداوندی اور خشوع وخضوع ہے، چنانچہ مشرکین کو پہلی دعوت عبادتِ رب کی دی گئی۔ جب اللہ کی معرفت انھیں حاصل ہوجائے گی اور نفس وقلب کی عبادت یعنی معرفت میں وہ مشغول ہوجائیں گے تو قلب کے جھکاؤ سے اعضاء و جوارح میں بھی خشیت پیدا ہوگی اور بندے کے تمام معاملات میں انابت اور عجز رؤنما ہوگا جو اللہ کی طرف متوجہ ہونے سے لازمی طور پر ہوتا ہے، دنیوی اصلاح کے لیے حلال وحرام کی تمیز اور آخرت کی فلاح کے لیے امر ونہی کا التزام ہوگا۔ یہیں سے اللہ کی غلامی پر مسرت اور اس کی بندگی سے آزادی حاصل کرنے سے اجتناب کا جذبہ سامنے آئے گا''۔۲۸

صلوٰۃ وانفاق اور ایمان وتقویٰ کا باہمی تعلق کیا ہے؟ اس پر فاضل مصنف روشنی ڈالتے ہیں اور وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ کی تشریح کرتے ہوئے اپنے مخصوص استدلالی انداز میں فرماتے ہیں: ''نماز چوں کہ عہدِ عبادت کی پابندی کا دوسرا نام ہے اور عبادت شہادتِ توحید، ذکرِ خداوندی، رکوع وسجود اور تحیّات کی تمام انواع پر مبنی ہے اس لیے نماز ایمان کی محافظ اور اس کی تجدید کرنے والی عبادت ہے، اسی لیے جو شخص نماز ہمیشگی سے نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پڑھتا اس کا ایمان کم زور ہوجاتا ہے اور اس پر کفر کا زنگ چڑھنے لگتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ اس شخص کے اندر ایمان نہیں جو نماز نہیں پڑھتا۔ صرف تقویٰ بنیاد اور جڑ ہے اور ایمان اور اس کے بعد نماز اس کا ثمرہ اور نتیجہ ہے اور انفاق خلافت کا لازمی جزو ہے اور بخل خلافت کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ اسی لیے قرآن کہتا ہے: وَأَنفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُم مُّسْتَخْلَفِينَ فِيهِ (حدید:۷) (اور خرچ کرو ان چیزوں میں سے جن پر اس نے تم کو خلیفہ بنایا ہے) ان تمام اوصاف نے ہی حضرت آدمؑ کو خلافت کا مستحق قرار دیا تھا اور یہ کمال کو اس وقت پہنچا جب کہ یہ ذمہ داری رسول اللہ ﷺ کو منتقل ہوئی۔ مصنف لکھتے ہیں کہ تقویٰ باطنی قلب ہے تو انفاق ظاہری چہرہ۔ اور ایمان اور اس کے بعد نماز اس قلب اور چہرہ کے درمیان تعلق کا کام دیتی ہے اور تقویٰ کے بعد ایمان بالغیب کی ترتیب (هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ) کی حکمت یہ ہے کہ متقی شخص اگر قلبی تقویٰ پر رک جائے اور کسی حکم کی پابندی نہ کرے تو یہ مطلوب نہیں ہے۔ غیب کی طرف رہ نمائی کی گئی اور اسے ایمان لانے کی تلقین کی گئی کہ معرفتِ قلب کا ثمرہ یعنی ایمان ظاہر ہونا چاہیے۔ اور ایمان بالغیب کے بعد انفاق کو ترتیب میں موخر لانے کی حکمت یہ ہے کہ مدد غیب سے تعلق رکھتی ہے، کیوں کہ انسان اپنے رزق کے ذریعہ وہ امداد کرتا ہے تو اس کی خلافت مکمل ہوجاتی ہے، اس کا اقتدار بڑھ جاتا ہے اور اس کے لیے اعلیٰ و اکمل رزق کے دروازے وا ہوجاتے ہیں۔ وہ انفاق کے ذریعہ جب حسنِ خلافت کا علَم بردار ہوجاتا ہے تو اس کے لیے اعلیٰ تر دروازہ کھل جاتا ہے اور وہ ایسے مقام پر فائز ہوجاتا ہے جس سے آگے کوئی مرتبہ نہیں ہوتا۔ یہی کمالِ محمدی ہے۔ اس کے برعکس اگر وہ بخل سے کام لے اور انفاق نہ کرے، اپنی خصوصیات واوصاف پر اِترائے اور تقویٰ نہ اختیار کرے، بلکہ کذب بیانی سے کام لے تو اس کی خلافت کی صلاحیت مضمحل ہونے لگتی ہے اور ذاتِ اعلیٰ سے امداد کا سلسلہ رک جاتا ہے۔ کتنی صحیح بات ہے کہ انفاق کو زکوٰۃ سے تعبیر کیا گیا، اس سے اس کا پورا فلسفہ واضح ہوجاتا ہے''۔ [۲۹]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حواشی ومراجع

۱۔ ڈاکٹر محمد حسین ذہبی نے اپنی کتاب **التفسیر و المفسّرون** (دوجلدیں) میں دور اول سے بیسویں صدی تک کی تمام عربی مشہور تفاسیر کا تجزیہ کیا ہے۔ ہر مکتب فکر کی بھرپور نمائندگی کی ہے اور تعارف وتنقید کے ذریعہ ایک متوازن مطالعہ پیش کیا ہے۔ معتزلہ، خوارج، جبریہ، قدریہ، باطنیہ، شیعہ، علمائے اہل سنت، احکامی مکتب فکر، سائنسی اور عقلی طرز تفسیر، غرضے کہ ہر فکر اور خیال کی ترجمان تفاسیر سے بحث کی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: التفسیر والمفسّرون، دار الکتب الحدیثہ، قاہرہ، ۱۹۶۱ء

۲۔ الرومی، فہد بن عبدالرحمٰن بن سلیمان، اِتجاہات التفسیر فی القرن الرابع عشر، دار الاِفتاء والدعوۃ والارشاد، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، طبع اول، ۱۹۷۶م، ۳/ ۸۷۵

۳۔ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر، الاتقان فی علوم القرآن، تقدیم وتعلیق: ڈاکٹر مصطفیٰ دیب البغا، دار ابن کثیر، بیروت، ۱۹۸۷م، ۲/ ۹۷۶

۴۔ الفراہی، عبدالحمید، فاتحۃ تفسیر نظام القرآن و تاویل الفرقان بالفرقان، مطبعۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ ۱۳۵۷ھ، مقدمہ از سید سلیمان ندوی، ص ا

۵۔ لویس یسوعی، المنجد فی الاعلام، دار المشرق، بیروت، دیکھیے حروف تہجّی کے اعتبار سے

۶۔ زرکلی، خیر الدین، الاِعلام، دار الملائین، بیروت، ۱۹۸۴م، ۱/ ۵۶: کحالہ، عمر رضا، معجم المؤلفین، المکتبۃ العربیۃ دمشق، ۱۹۵۷م، ۱/ ۷۱

۷۔ السخاوی، شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن، الضوء اللاّمع لأہل التاسع، مکتبۃ القدسی، قاہرہ، ۱۳۵۳ھ، ۱/ ۱۰۲

۸۔ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر، نظم العقیان فی أعیان الأعیان، مرتب و محقق: ڈاکٹر فلپ ہٹّی، المطبعۃ السوریۃ الأمریکیۃ، نیویارک، ۱۹۲۷م، ص ۲۴

۹۔ حوالہ سابق

۱۰۔ سخاوی، الضوء اللامع، ۱/ ۱۰۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۱۔ معاصرت ایک ایسا فتنہ ہے جو ہر دور میں علم وفضل اور حسنات واوصاف پر پردہ ڈال دیتا ہے اور معاصرین کے کمالات کا اعتراف نہیں کرنے دیتا۔ علامہ سخاوی بھی اس فتنہ سے محفوظ نہیں رہ سکے ہیں۔ انھوں نے علامہ بقاعی کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا تذکرہ بڑے تحفظات کے ساتھ کیا ہے اور ساتھ ہی ''اللہ ہی جانتا ہے کہ ان غزوات میں شرکت سے ان کی نیت کیا تھی' جیسے زائد جملوں سے بقاعی کو مطعون کرنے کی کوشش کی ہے۔ دس گیارہ صفحات کے تذکرہ میں سخاوی کی بیش تر تحریریں بقاعی کی تنقیص کرتی نظر آتی ہیں۔

۱۲۔ ملاحظہ کیجیے حاجی خلیفہ، مصطفیٰ بن عبداللہ، کشف الظنون عن أسامی الکتب والفنون، ۱۹۴۱ء، ص ۸۱، ۸۶، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۱۷، ۱۴۰، ۱۵۶، ۱۷۰، ۲۱۶، ۲۶۰، ۲۶۶، ۲۶۷، ۳۵۵، ۳۸۲، ۵۱۳، ۵۹۶، ۶۰۲، ۶۱۲، ۷۵۹، ۸۲۸، ۹۱۰، ۹۱۱، ۱۰۱۸، ۱۰۹۰، ۱۱۴۲، ۱۱۴۸، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۲۱۵، ۱۲۳۳، ۱۳۶۵، ۱۳۹۳، ۱۴۲۱، ۱۵۰۰، ۱۵۷۵، ۱۷۰۴، السخاوی، الضوء اللامع، ص ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، الزرکلی، الاعلام، ۵۶/۱، سیوطی، نظم العقیان، ص ۲۴، ۲۵، کحالہ، معجم المؤلفین، ۷۱/۱

۱۳۔ علاّمہ سیوطی نے (حوالہ بالا، ص ۲۴) اس کتاب کا نام 'النکت علی شرح الفیة العراقی' لکھا ہے۔ میرے خیال میں صحیح نام وہی ہے جو حاجی خلیفہ نے بیان کیا ہے۔ دیکھیے کشف الظنون، ص ۱۵۶

۱۴۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون، ۲۶۶-۲۶۷۔ مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ علامہ نجم الدین احمد ابن حمدان حرّانی حنبلی (متوفی ۶۹۵ھ) نے ایک کتاب لکھی اور اس میں پورے قصیدہ سے بحث کرتے ہوئے ابن الفارض کی تکفیر کا فتویٰ صادر کیا۔

۱۵۔ زرکلی نے تھوڑے فرق کے ساتھ کتاب کا نام جواہر البحار فی نظم سیرة المختار لکھا ہے۔ دیکھیے، الأعلام، ۵۶/۱

۱۶۔ امام سخاوی نے لکھا ہے کہ بقاعی نے لوگوں کے حالات لکھتے وقت نفسی محرکات اور ذاتی تعلقات کو کافی دخل دیا ہے۔ بسا اوقات ایک عالم کی ابتدا میں تعریف کی ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن جب اس سے ان کے مقاصد پورے نہ ہوئے تو اس کی بُرائی شروع کر دی۔
ایک ایسے مظلوم معاصر (امین اُقصرائی) کا نام بھی سخاوی نے نقل کیا ہے۔

۱۷۔ علامہ سیوطی نے اس کتاب کا نام الجواہر والدرر فی مناسبۃ الآی والسور لکھا ہے۔

۱۸۔ السخاوی، الضوء اللاّمع، ص۱۰۶، ۱۰۷

۱۹۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون، ص۱۹۶۱-۱۹۶۲

۲۰۔ بقاعی، ابراہیم بن عمر برہان الدین، نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور، ادارت: ڈاکٹر عبدالمعید خان، دائرۃ المعارف العثمانیۃ حیدرآباد، طبع اوّل، ۱۹۶۹م، الجزء الاول، ص۲-۳

۲۱۔ حوالۂ بالا، ص۴-۵

۲۲۔ حوالۂ بالا، ص۱۹-۲۰

۲۳۔ حوالۂ بالا، ص۲۱-۲۲

۲۴۔ حوالۂ بالا، ص۱۰۷، ۱۰۸۔ یہاں یہ قرآنی اسلوب فاضل مصنف کی نگاہ سے چوک گیا کہ قرآن میں بعض الفاظ اپنے لغوی مفہوم میں استعمال ہونے کے بجائے علی سبیل المشاکلۃ آئے ہیں، جو بلاغت کی صنف مجانسۃ سے تعلق رکھتے ہیں، مکر اور خدع کا لفظ اپنے حقیقی معنوں میں خدا کی جانب منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ اس اسلوب کو تفصیل سے سمجھنے کے لیے ملاحظہ کیجیے راقم کا مضمون 'قرآن مبین کے بعض اسالیب'، سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، جلد۳، شمارہ۲، اپریل- جون۱۹۸۴ء، ص۱۸۴-۱۸۶

۲۵۔ بقاعی، نظم الدرر فی تناسب الآیات والسّور، ص۱۱۸-۱۲۰

۲۶۔ حوالۂ بالا، ص۱۱۸

۲۷۔ حوالۂ بالا، ص۱۳۱-۱۳۳

۲۸۔ حوالۂ بالا، ص۱۵۴-۱۵۵

۲۹۔ حوالۂ بالا، ص۸۵-۸۶

☆☆☆

© rasailojaraid.com